چودھری افضل حق کا ادبی مقام

ایک سیاسی ادیب

سیاسی زندگی اور ادبی زندگی میں بظاہر کوئی میل نہیں۔ ایک میں نعرۂ پیکار کی تڑختی ہے، دوسرے میں عروسی نغمے کا لوچ، لیکن قدرت بعض انسانوں میں یہ دونوں خصائص بیک وقت جمع کر دیتی ہے، اور ان کے میل سے ادب و سیاست کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے مولانا محمد علی مرحوم کی خطیبانہ دلکشی کا راز بھی ادب و انشاء ہی سے عبارت تھا چودھری افضل حق مرحوم ایک بلند پایہ سیاست دان تھے لیکن انہوں نے اپنے سیاسی نظریوں کو شعر و انشاء کے رنگ و روغن سے سنوارا۔ اور حق تو یہ ہے کہ وہ اپنے رنگ میں بے مثال تھے۔

چودھری افضل حق نہ صرف ایک اعلیٰ درجہ کے مفکر، بلند پایہ خطیب، زبردست مجاہد اور بہترین رہنمائے قوم تھے بلکہ وہ دنیائے ادب اردو کی بھی ممتاز شخصیت تھے۔

انہوں نے جس راہ میں بھی قدم رکھا آگے نظر آئے، ان کی تیز نظر جہاں تحریک ہائے قومی کے دور رس نتائج تک پہنچ جاتی تھی، حریف اس کے دیکھنے سے قاصر تھے ان کا نکتہ رس دماغ جن دینی، ملی اور اجتماعی کارناموں کا تماشا دیکھتا تھا، بہت سی آنکھیں ان کے دیکھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی تھیں، قومی، ملی، وطنی، اجتماعی، سیاسی کون سی تجویز اور عمل تھا جن کے لئے ان کا ناخن تدبیر آگے نہیں بڑھا! ملک و ملت کے لئے ایثار و قربانی، سرفروشی و جان سپاری کی کونسی دعوت تھی، جس پر انہوں نے سب سے پہلے لبیک نہ کہا ہو۔ لیکن بایں ہمہ ہم دیکھتے ہیں کہ ادب و انشاء پردازی کے کشوروں میں بھی اسی طرح اس کا سکہ رواں تھا، نکتہ سنجی و سخن فہمی بھی اس کے طائر فکر کے دوش پر تھے اردو لٹریچر میں شاید ہی کوئی موضوع ہو جس پر ان کے قلم نے گوہر افشانی نہیں کی۔ افسانہ، ناول، ڈرامہ، سیرت

تاریخ، فلسفہ، مذہب اور سیاسیات و اجتماعیت پر ان کی کتابیں دورِ حاضر کی بہترین تصنیفیں ہیں ہر کتاب ادبی فن اور افادی لحاظ سے ادب میں خاص مقام رکھتی ہے۔

وہ اپنی کتابوں میں اس چھوٹے اور انوکھے انداز سے اظہارِ خیال کرتے ہیں کہ قاری کو ذرہ برابر بھی تکان نہیں محسوس ہوتی، بلکہ کتاب کا ہر صفحہ بجائے خود ایک افسانہ معلوم ہونے لگتا ہے، ان کے اسلوب نگارش میں بلا کا سحر اور اعجاز ہے، خشک سے خشک موضوع میں بھی وہ اپنے بے مثال اسلوب سے اس طرح جان ڈال دیتے ہیں کہ پڑھنے کے بعد طبیعت میں ترو تازگی اور شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے، ان کا شگفتہ قلم کبھی زعفران زار دل کی سیر کراتا ہے، تو کبھی غور و فکر کے اتھاہ سمندر میں پہنچا دیتا ہے، ان کی تحریر پڑھنے سے کبھی محویت کا عالم طاری ہوتا ہے تو کبھی طبیعت میں سیاسی بلندی پیدا ہوتی ہے، ان کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جو اہلِ دنیا کے لئے مفید اور ان کی زندگی کی رہنمائی میں مددگار نہ ثابت ہو۔

چودھری صاحب کی تصنیف میں سب سے اہم کتاب زندگی ہے، زبان کی حلاوت، اندازِ بیان کی شیرینی اردو کے ٹکسالی محاورے، نکتہ بینی، آزادی، لطافت و شائستگی، اخلاق و انسانیت، خدمتِ خلق و اصلاحِ قوم جذبات و مشاہدات کی شاعرانہ نقاشی، کم ادبی کتابیں ہیں جن میں بیک وقت اس قدر خوبیاں پائی جائیں۔

جو لوگ لکھنے کے ہنر سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک ہی بات کو اول درجہ کا انشاء پرداز لکھتا ہے تو کیا چیز ہو جاتی ہے، اور اسی چیز کو دوسرے اور تیسرے درجہ کے انشاء پرداز لکھتے ہیں، تو وہ کیا ہوتی ہے "زندگی" میں مسائل زندگی کو مصنف نے اس انداز سے پیش کیا ہے کہ بے اختیار مصنف کے حق میں کلمہ تحسین نکل جاتا ہے۔

روس کے مشہور انشاء پرداز میکسم گورکی نے ایک جگہ لکھا ہے :-

ایک معمولی سی کتاب جس سے ہم اتنا مانوس ہو جاتے ہیں، دنیا کے طلسمی عجائبات میں سے ہے ایک لکھنے والا جسے ہم جانتے بھی نہیں، سیکڑوں میل کے فاصلہ پر بیٹھا ہوا بعض اوقات ایک ناقابلِ فہم زبان میں کاغذ پر کچھ نشان بنا دیتا ہے، جن کو ہم حروف کہتے ہیں، اور کتاب لکھنے والے سے دور اور ناواقف ہونے کے باوجود جب ہم اس کے لکھے ہوئے حروف پر نظر ڈالتے ہیں، تو پر اسرار طریق پر تمام الفاظ اور خیالات محسوسات اور محاکات کے معنی ہم پر روشن ہو جاتے ہیں، ہم مناظرِ قدرت کی تعریف کرتے ہیں، مکالمہ کی دلآویزی، ہم آہنگی اور الفاظ کی موسیقی سے خوش ہوتے ہیں، کبھی آنسوؤں کے تار ہیں، کبھی غصہ میں بھرے ہوئے

کبھی خواب دیکھتے ہوئے اور کبھی مختلف رنگوں میں چھپے ہوئے صفحات پر ہم روشنی اور زندگی کو پا جاتے ہیں خواہ ہم اس سے پہلے سے مانوس ہوں یا نہ ہوں، غرض انسان کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں میں مستقل قوت اور دائمی آسودگی کے لحاظ سے ایک کتاب دنیا کا سب سے زیادہ پیچیدہ اور عظیم الشان معمہ ہے۔

"زندگی" کو جس نے بھی پڑھا ہے، اس سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، ہر شخص کو اقرار ہے کہ "زندگی" قابلِ فہم اور ممکنات سے لبریز ہے اس کتاب کو پڑھ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ کتاب انسان کو بالغ نظر بنا سکتی ہے۔ جہادِ زندگی میں قوت و سکینت عطا کر سکتی ہے، زندگی کے مسافروں کے لئے بہترین رہنما ہو سکتی ہے اس کتاب کے متعلق مولانا ظفر علی خان مرحوم نے بالکل ٹھیک لکھا تھا ؎

کھل گیا ہر ذی بصیرت پر معمائے حیات
جب سے افضل حق نے لکھی ہے کتابِ زندگی

چودھری صاحب نے کتاب کے دیباچہ میں جو لکھا ہے اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔ در

"تمام مذاہب کا یہ یکساں اور کارفرما اصول ہے کہ "جیسا کروگے ویسا بھروگے" یہی اصول اس کتاب کی اساس و بنیاد ہے، بے شک آتشیں شریعت لے کر آنے والے نے عمل اور پاداشِ عمل کی حقیقت کو جن طریقوں سے انسانوں کے ذہن نشین کرایا، یہ کتاب اس کی صدائے بازگشت ہے زندگی خیر الناس من ینفع الناس کی تفسیر ہے، اور لوگوں میں زندگی کا شعور پیدا کرنے کی ایک سعی ہے عزیزوں اور ہمسایوں کے حقوق کی نگہداشت کرنے اور خدمتِ خلق کے جذبے کو بروئے کار لانے کی ایک کوشش اور کاوش ہے، میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کے گوناگوں تجربوں کی بنا پر آنے والی نسلوں کے لئے میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا، اسے "زندگی" میں کہہ دیا ہے۔"

زندگی کا آغازِ بیان تو وہی ہے جو ابن عربی کی مشہور کتاب "فتوحات مکیہ" کا ہے جس میں عالمِ علوی کی سیر و سیاحت کے واقعات کو قلم بند کیا گیا ہے، اسی سے ملتا جلتا اندازِ علامہ اقبالؒ کی کتاب "جاوید نامہ" کا بھی ہے جس میں انہوں نے فلسفیانہ حقیقتوں کی نقاب کشائی کی ہے۔ مشہور اطالوی شاعر ڈانٹے نے اپنی کتاب "ڈیوائن کامیڈی" میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ حقیقت میں یہ اندازِ بیان بہت ہی محدود اور مستحسن اندازِ بیان رہا ہے لیکن ان شخصیتوں کی نظر خاص حکیمانہ اور فلسفیانہ تھی اس لئے انہوں نے فلسفہ و حکمت کے دائرہ سے ہٹ

کہ ایک ایسی بھی کوئی ایسی راہ نہیں اختیار کی جس سے عوام بھی ان حقائق سے آشنا ہو سکیں، یہ کتابیں خواص کے لئے کتنی ہی اہمیت رکھتی ہوں، لیکن حقیقت میں عوام کے قلوب کو اپیل نہیں کر سکتیں، ضرورت تھی کہ اس انداز اور اسلوب میں ایک ایسی چیز پیش کی جائے جو اگر ایک طرف ادب کے معیار پر بھی پوری اترے اور دوسری طرف زیادہ سے زیادہ لوگوں کے قلوب کو بھی متاثر کر سکے اور قوم و ملک کے حق میں زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہو۔

اس کتاب میں جہاں زندگی کے مسائل اخلاق و انسانیت اور پاکیزگئ حیات کی لطیف اور فطری ترجمانی موجود ہے، وہاں الفاظ و محاورات کا انتہائی برمحل استعمال بھی کیا گیا ہے، اور زبان کی نزاکتوں کو شعر و ادب میں سمو دیا گیا ہے۔ الفاظ کا تناسب اور آہنگ بھی کتاب کی روح بن گیا ہے، چودھری صاحب نے کتاب کے دیباچہ میں فرمایا ہے :-

"غمگین و اسیر بلبل سے آزاد فضا میں اڑنے والے طائر کی طرح رنگیں نوائی کی توقع کون کر سکتا ہے مجھ جیسے جیل کے افسردہ خاطر پرندے سے کسی شگفتہ تحریر کی امید نہ کی جا سکتی تھی چنانچہ کتاب کو پسند خاطر پا کر بعض احباب نے میرے اس کتاب کے مصنف ہونے پر تعجب کا اظہار کیا میں اس تعریض کو بھی تعریف سمجھتا ہوں۔"

ذیل میں "زندگی" کے چند جستہ جستہ ٹکڑے درج .... کئے جاتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ مصنف کے قلم نے کس کس طرح گلکاریاں کی ہیں، اور الفاظ و معانی کے کیسے کیسے نادر شاہکار چھوڑے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"حیا معصیت پسند انسان کے پاس ایک دو دفعہ ناصح و مشفق بن کر آتی ہے طریقے طریقے سے سمجھاتی ہے، اگر نہ مانے تو اس کی کوتاہ [illegible] پر آنسو بہاتی ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتی ہے۔"

ایک جگہ کہتے ہیں :-

"فخر میں ریا ممکن ہے، محبت وطن میں شخصی اغراض کا شائبہ ہو سکتا ہے، حاجی کا مکار ہونا بعید از قیاس نہیں لیکن شہید ان تمام شبہات سے بالاتر ہے، اس سے بڑھ کر خدا کی مخلوق میں صابر و شاکر کون ہے؟"

ایک جگہ لکھتے ہیں :-

جب تک عبادت عمل کے ساتھ شامل نہ ہو، کوئی عبادت نہیں، سچ پوچھو تو قولی عبادت

بغیر عملی عبادت کے سرے ہی سے قابل ستائش نہیں عبادت سے بے شک روح میں طاقت پیدا ہوتی ہے مگر جس طرح کوئی پہلوان محض طاقت کے باعث نیکوکار اور پرہیزگار نہیں مانا جاسکتا اسی طرح عبادت گذار محض روح کی طاقت سے نیکوکار نہیں کہلا سکتا ۔"

اسی طرح ایک اور جگہ لکھتے ہیں :۔

"جس خاوند کی زوجہ رفاقت نہ کرے وہ کوئی معرکے کا کام خوش اسلوبی سے سرانجام نہیں دے سکتا ۔ جس مرد کی ٹانگ عورت پکڑ کر نیچے کھینچے ، اس سے بام ترقی پر پہنچنے کی کیا اُمید کرے! عورت کا خمیر مایہ مٹی سے گو مرد ہی کی طرح اٹھایا گیا ہے اگر عناصر کی ترکیب میں وہ مرد سے جُدا معلوم ہوتی ہے ، وہ نار اور نور دونوں کا ظرف معجون ہے اس میں خاکستر کر دینے کی خاصیت بھی ہے اور تاریکیوں کو دور کر دینے کی صلاحیت بھی ، اس کا نا پیوی یا تو شیطان سے ہے یا فرشتوں سے جب تک یہ دو متضاد وصف جھجک اور شرم کے پردوں میں مستور ہیں ، وہ عارضی طور پر انسان ہے ، ورنہ دونوں میں سے ایک اگر علوی سرشت بیدار ہے تو زہے قسمت ، دونوں مستقل خصلتیں خوابیدہ ہوں ، تو بھی خیر ہے ، انسان کا انسان سے نباہ آسان ہے ، میاں بیوی کی نبھ جائے گی ، اگر سرشت میں سفلی عناصر کا غلبہ ہے تو پھر خدا کا دامن بندہ نوازنہ ہو تو بیچارے مرد کو کہاں پناہ ہے ، شیطان صرف لاحول سن کر بھاگ جاتا ہے ، مگر یہ بلا تو دعائے سریانی سے بھی نہیں ٹلتی ۔

ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

"جس مقام پر ماں کی معیبت ختم ہوتی ہے وہاں سے استاد کی معیبت کا آغاز ہوتا ہے جہالت کے زمانے میں دہقان کے گھر اور جاہل ماں کی گود سے بچے کو حاصل کرنا سمندر کی گہرائیوں سے موتی نکال لانے سے بھی مشکل ہے ۔"

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :۔

"حالات پر شاکر رہنے کا اصول ترقی کے راستے میں سد سکندری اور قوموں کے لئے سکرات کی موت کا حکم رکھتا ہے"

وہی ملک آزاد اور وہی قومیں با اقبال رہتی ہیں جن کے بچے ان تھک قربانی کا حوصلہ رکھتے ہوں ۔ پانی جب رُک جاتا ہے ، تو اس میں عفونت پیدا ہو جاتی ہے ، قربانی کا سرچشمہ خون جب

روانی سے رک جاتا ہے، تو قوموں کی عظمت خاک میں مٹ جاتی ہے، شکستوں کے بعد فتح ہوتی ہے"

"جو لوگ اپنی بے احتیاطیوں، غفلتوں اور غلط کاریوں سے جوانی میں بڑھاپے کو دعوت دیتے ہیں، وہ جنت کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ لوگ اپنی عادتیں لے کر بہشت میں پہنچیں تو خدا جانے کیا قیامت برپا کر دیں، وہ نعمتہائے گوناگوں جن کو تصور کی زبان نے نہیں چکھا اور تخیل کی نگاہ نے نہیں دیکھا۔ اگر دنیا میں ان شکم پرستوں کے ہاتھ میں آ جائیں تو نامعلوم کتنا کھا جائیں جنہیں دنیا میں حسن صورت اور خوبی نہ بھائی وہ اپنی حور وش بی بیوں کے پاک جمال اور جنت کے غلمان خوش آواز سے کیا حظ اٹھائیں گے۔"

ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"اے حسین عورت کی آنکھوں کے آنسوؤ! تم سحر سامری سے زیادہ پر اثر ہو۔ وہ بہادر جو سیل حوادث سے منہ نہیں موڑتے تمہارے بہاؤ میں تنکوں کی طرح بہتے نظر آتے ہیں، تمہارے سکون میں طوفان ہے، خاموشیوں میں ہنگامے ہیں بظاہر تم بے حقیقت سے نظر آتے ہو۔ مگر دنیا کے ہزاروں انقلاب تمہارے شرمندۂ احسان ہیں، ہر قاعدے کی استثنا ہے، ہر درد کی دوا ہے، مگر تمہارے منتر کا کوئی جوڑ نہیں، اور تمہارے جادو کا کوئی توڑ نہیں، سب حربے جواب دے دیتے ہیں، لیکن اے حسین عورت کے آنسوؤ! تم ہی وہ ہتھیار ہو جن کا وار کبھی اوچھا نہیں پڑتا، روٹھوں کو منانے کے لئے بگڑوں کو بنانے کے لئے جہاں عقل تدبیر سے عاجز آ جائے، تم ہی کام آتے ہو تاریخ عالم کا وہ پہلا حادثہ جسے ہبوطِ آدم سے تعبیر کیا جاتا ہے، اے حوّا کی بیٹی! صرف تجھ ہی کو معلوم ہے کہ کیوں وقوع پذیر ہوا، قدوسیوں کا معلم جب آدم کے پھسلانے میں تمام ترغیب و تحریص ضائع کر چکا تو آدم کو خدا کی نافرمانیوں پر آمادہ کرنے والی حسین حوّا کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے سوا اور کیا چیز تھی؟"

اسی طرح مناظر کی عکاسی میں انہیں ید طولیٰ حاصل ہے ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں :-

"جب تیسری برسات کا روح افزا منظر شروع ہوا تو ایک دن جب جنت کی ٹھنڈی ہوائیں چشمہ حیات سے جاں پروری کا سامان کر کے آ رہی تھیں، کالی گھٹائیں کوثر و تسنیم سے پیاس بجھا کر کسی مست شباب کی طرح جھومتی اٹھیں اور روئے عالم پر چھا گئیں، اس مستانہ موسم میں

مور سرشار ہو کر ناچ رہے تھے کوئل بے تاب ہو کر کوک رہی تھی ۔ میخواروں کی بن آئی ، ہَوا گاتی تھی ، شاخیں جھومتی تھیں ، پتے تالیاں بجاتے تھے ، عشرت موسم کی مناسبت سے دھانی جوڑا پہنے باغ میں نکلی ، وہ غرورِ حسن سے اٹھلاتی میری طرف بڑھی ۔ قریب آکر کہا کہ آؤ جھولا جھولیں باغ کے شمال مغربی حصے میں پیپل کے ایک مضبوط تنے کے ساتھ سبز و سرخ ریشم کے موٹے ڈورے لٹک رہے تھے دو نوخیز خادمائیں جھولا جھلانے کے لئے ہمارے انتظار میں کھڑی تھیں ہم دونوں جھولے میں بیٹھ گئے ، جھولا لمحہ بہ لحظہ بلند ہونے لگا ، بلندی کی ہوائیں ، اودی گھٹائیں ، یونہی طبیعت پر کیا غضب نہیں ڈھاتیں لیکن جب عشرت جہاں جیسی محبوبہ بھی ہمکنار ہو تو کون ہے جو انا الموجود لاغیری کا دعویٰ نہ کر بیٹھے ۔

تشبیہات و استعارات بھی اکثر کے استعمال کرتے ہیں ، چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

اس کے باغ حسن میں جوانی کا پھول مرجھا چکا تھا ، اور وہ ایک تسبیح کی طرح سوکھ کر کانٹا ہو رہی تھی ، تاہم آنکھوں میں عصمت کا روحانی نور بدستور جھلک رہا تھا جس نے دل کے تاریک تہ خانہ کو پھر سے روشن کر دیا ، اپنے مجرمانہ تغافل اور اس کی شوہر پرستی کے خیال نے مجھ کا سر اس کے پاؤں پر رکھ دینے پر مجبور کر دیا ۔ میرے سر جھکانے پر اس نے ہزارہا استغفار پڑھی اور پھر سجدہ شکر ادا کیا کہ اللہ نے پھر ہمیں ملا دیا ۔"

یہ تو چند نمونے درج کئے گئے ہیں ورنہ پوری کتاب اسی طرح کے نوادر سے لبریز ہے ، اور جگہ جگہ ان کے قلم سے ایسے موتی ٹپک گئے ہیں ، جنہیں پڑھ کر وجدان و ذوق دیر تک لطف اندوز ہوتا رہتا ہے ۔

چودھری صاحب کی کتاب " محبوبِ خدا " بھی گوناگوں خوبیوں کی بنا پر اردو ادب میں خاص امتیازی شان رکھتی ہے ، اس موضوع پر دنیا کی شائد ہی کوئی زبان ہو جس میں کتابیں نہ لکھی گئی ہوں ۔ لیکن چودھری صاحب کی کتاب کے اندر جامعیت اور اختصار کے ساتھ ساتھ پیرایہ بیان کی دل کشی نے چار چاند لگا دیئے ہیں ، مثال کے طور پر اس کتاب کے اندر ٹکڑا درج کیا جاتا ہے ، جہاں " ولادتِ باسعادت " پر آپ کے گوہر بار قلم نے موتی بکھیرے ہیں :۔

" وجدان سے چودہ سو سال کی الٹی زقند لگا کر پہلے زمانہ کے واقعات کو تخیل کی نظر سے دیکھا ، دنیا بد اعمالیوں سے ظلمت کدہ بنی ہوئی تھی ، کفر کی کالی گھٹا ہر طرف تُلی کھڑی تھیں ، عصیاں کی بجلیاں آسمان

پر کوندتی تھیں اپنی نفس کی طغیانیوں میں گھری ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھی، وہ راہ سے بھٹکی ہوئی آس اور یاس کی حالت میں ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ کہیں روشنی کی کرن پھوٹے اور سلامتی کی راہ مل جائے، وہ کفر کے اندھیرے میں ڈرتے ڈرتے قدم اٹھا رہی تھی، دیکھو وہ چند قدم چل کر رک گئی، سرِ راہ دو زانو ہو کر عالمِ یاس میں سینے پر ہاتھ باندھے گردن جھکائے معروفِ دُعا ہو گئی! اور نہایت عجز و الحاح سے بولی! اے نور ظلمت کے پروردگار! میں غریب اس پر ہول اندھیرے میں کب تک بھٹکتی پھروں، اے آقا اپنے کرم سے اس نور کا ظہور کر جو ظلمت کدۂ دہر کو منور کر دے، وہ نور پیدا کر جو بے بصر کو طاقت دید بخشے، اس نے آمین آمین کہہ کر سر جھکایا، یک بیک اس کے دل میں خوشی کی لہر اٹھی، اور اس کے رُخسار نو شگفتہ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح شاداب نظر آنے لگے، کیونکہ اسے قبولیت دعا کا اقرار ہو رہا تھا، پھر اس نے آہستہ آہستہ ستاروں سے زیادہ روشن آنکھیں کھولیں تو کفر کی گھٹائیں چھٹ رہی تھیں افقِ مشرق پر محبت کی کہانی سے زیادہ دلکش پو پھٹ رہی تھی آفتاب ہدایت کے طلوع ہونے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

۲۰ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۹ ربیع الاول دوشنبہ کی مبارک صبح کو قدسی آسمان پر جگہ جگہ سرگوشیوں میں معروف تھے کہ آج دُعائے خلیل اور نوید مسیحا مجسم بن کر دنیا میں ظاہر ہو گی، حوریں جنت میں تزئینِ حسن کیے بیٹھی تھیں کہ آج صبح کائنات کا غادہ نمودار ہو گا۔ جس کے عالمِ وجود میں آتے ہی شرک اور کفر کی ظلمت کافور ہو جائے گی۔ لوگ اپنے پروردگار کو پہچاننے لگیں گے، نسل و خون کے امتیاز کی لعنت مٹ جائے گی۔ غلام اور آقا ایک ہو جائیں گے۔ شبنم نے عالمِ ملکوت کی ان باتوں کو سنا اور یہ پیام مسرت کرۂ ارضی کے کانوں تک پہنچا دیا۔ وہ خوشی سے کھل گئے، کلیاں مسکرانے لگیں، دن کے دس بجے بی بی آمنہ کے بطن سے وہ لعل جہاں تاب پیدا ہوا۔ جس کے لئے قعرِ مذلت میں گری ہوئی انسانیت کو اٹھانا غریب اور غلام کو بڑھانا، عورت کو مرد کے برابر کر دکھانا ازل سے مقدر ہو چکا تھا۔

وہ نو مولود زچہ خانہ میں مسکرایا اس کائناتِ ارضی کا ذکر کیا ہے فضائے ملکوت میں بھی مسرت کی لہر دوڑ گئی کیونکہ دنیا کو سچی خوشی کا سبق اسی سے ملنے والا تھا، کفر سجدہ میں گر گیا، ادیانِ باطلہ کی نبضیں چھوٹ گئیں [redacted] عبد اللہ کا بیٹا، آمنہ کا جایا دنیا میں کیا آیا دین و دنیا پر مستقل ترقی کے دروازے کھل گئے، کائنات کی خوابیدہ قوتیں بیدار ہو کر معروفِ عمل ہو گئیں انسانیت کی تعمیر اخوت و مساوات کی خوشگوار بنیادوں پر شروع ہوئی، متلاشیانِ حق کو ایسا عرفانِ الٰہی عطا ہوا کہ ما سوی اللہ کا خوف خود بخود جاتا رہا۔

اسی طرح آپ کی تصنیفات میں "میرا افسانہ" بھی ایک اچھوتی تصنیف ہے، جس میں مسائل زندگی کو اتنے شگفتہ اور ظریفانہ پیرایہ میں پیش کیا ہے کہ ان کی کہانی خود اپنی زبانی مشاہیر کی زندگیوں سے زیادہ دلچسپ بن گئی ہے اس کے علاوہ فکر کا عمق اور نظر کی گہرائی بھی موجود ہے، جس سے لکھنے والے کی عظمت کا سکہ دل پر بیٹھتا جاتا ہے، اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو اس کے اقتباسات بھی ہدیۂ ناظرین کئے جاتے۔

اسی طرح "آزادئ ہند" کے رنگین افسانہ میں بالکل انوکھے اور نرالے انداز میں ملکی تحریکات پر اظہار خیال کیا ہے، وطن کی آزادی اور اہل وطن کی بھلائی افسانہ کے انداز میں بیان کر کے باغ میں بہار پیدا کر دی ہے، یہ افسانہ خود ہی دل کی گہرائیوں میں اترتا جاتا ہے۔

"شعور" اور "دیہاتی رومان" بھی بے حد دلچسپ کتابیں ہیں، دریائے لطافت اور موج تبسم جگہ جگہ اٹھکھیلیاں کرتی ہیں، اور اگر کتاب شروع کیجئے تو جب ختم نہ کر لی جائے، طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ شروع سے آخر تک ایک ہی جوش اور سرمستی موجود ہے۔

"تاریخ احرار"، "اچھوت اور پاکستان"، "اشتراکیت اور اسلام" بھی بہت ہی مفید اور دلچسپ کتابیں ہیں جنہیں پڑھنے کے بعد چودھری صاحب کی وسیع النظری اور حکیمانہ طرز فکر کی داد دینی پڑتی ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں جو مرحوم کے کمالات سیاسی کے ساتھ کمالات ادب کی زندہ جاوید یادگار ہیں اور یہ تصنیفات اس قابل ہیں کہ ہر ہندوستانی عموماً اور ہر مسلمان خصوصیت کے ساتھ اس کا مطالعہ کرے۔

امیرِ شریعت نمبر

قارئین کرام! یقیناً آپ "امیرِ شریعت نمبر" کے انتظار میں ہوں گے۔ بہت سے احباب نے شدت انتظار سے بے قابو ہو کر ہمیں خطوط بھی لکھے ہیں۔ اس وقت نمبر طباعت کے مراحل میں داخل ہو چکا ہے۔ اِنْ شاءَاللہ ۱۵ر جنوری تک یہ کام مکمل ہو گا اور ۲۰ر جنوری کے بعد قارئین کو ارسال کر دیا جائے گا۔

اس غیر ضروری تاخیر پر ہم اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔

(مدیر)

تحریک آزادی کے نامور رہنما اور صاحبِ طرز ادیب
مفکر احرار چودھری افضل حقؒ کی خود نوشت سوانح

میرا افسانہ

چالیس برس بعد دوبارہ شائع ہو گئی ہے

- میرا افسانہ • ایک عہد اور ایک زمانے کی سوانح • آزادی کے مجاہدوں کا تذکرہ
- جنہوں نے ـــــــ
- انگریز سامراج اور اس کے حاشیہ نشین جاگیرداروں کے مظالم، محلاتی سازشوں اور جبرو استبداد کی آہنی فصیلوں کو اپنی جہد مسلسل سے کرچی کرچی کر دیا

کمپیوٹر کتابت، اعلیٰ طباعت، خوبصورت جلد صفحات ۲۰۸ قیمت ۱۱۰ روپے

عظیم مجاہد آزادی، مفکرِ احرار چودھری افضل حقؒ کے تین ادبی شاہکار

* معشوقہ پنجاب (قصہ ہیر رانجھا۔ تنقید)
* شعور (ایک اصلاحی ڈرامہ)
* دیہاتی رومان (افسانوی اصلاحی کہانی)

تینوں کتابوں کا مجموعہ

شعور

ـــــــ کے عنوان سے یکجا شائع ہو گیا ہے

صفحات ۱۴۴ قیمت ۳۵ روپے

بخاری اکیڈمی دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان